

آہ! مرا کامل جاتا رہا

از قلم

خطیب مشرق حضرت علامہ مولانا مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ناشر

رضا الکیڈمی

۵۲ رڈ ونشاد اسٹریٹ، کھڑک، ممبئی ۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم
بفیض حضور مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری قدس سرہ

آہ! مرا کامل جاتا رہا

از قلم
خطیب مشرق حضرت علامہ مولانا مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

بشکریہ
مولانا محمد ملک الظفر سہسرامی صاحب
دارالعلوم خیریہ نظامیہ، سہسرام، بہار

بفرمائش
اسیر مفتی اعظم عالیجناب الحاج محمد سعید نوری صاحب بانی رضا اکیڈمی، ممبئی

ناشر: رضا اکیڈمی  ڈی ۵۲، ڈوٹنٹاڈ اسٹریٹ، کھڑک، ممبئی ۹

آہ! مرا کامل جاتا رہا

خطیب مشرق حضرت علامہ مولانا مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ستارہ نہیں۔۔۔۔۔ آسمان صحافت کا سورج ڈوب گیا!۔۔۔۔۔
کامل!۔۔۔۔۔ تم کیا گئے! کانفرنسیں خاموش ہو گئیں۔۔۔ صحافت اجڑ گئی۔۔۔۔۔ اور خطابت
سوگوار ہو گئی۔۔۔۔۔

سچ تو یہ ہے!۔۔۔۔۔ سہسرام کی دولت پیوند خاک ہو گئی۔۔۔۔۔ مدرسہ خیر یہ کی شہرت
گہنا گئی اور بہار کی بہار رخصت ہو گئی۔۔۔۔۔ میرے کامل!۔۔۔۔۔ آفس پاسان اور آفس
تاجدار کے دیوار و درتم پر رو رہے ہیں اور وہ قلم جو تمہارے ذہن و فکر کی عکاسی کرتا تھا وہ روشنائی نہیں
اب خون اگل رہا ہے۔۔۔۔۔ دارالعلوم غریب نواز۔۔۔۔۔ جس میں تم چمکتے تھے وہاں
سکوت اور خاموشی کا پہرہ ہے۔۔۔۔۔ اساتذہ اور طلباء تمہارے غم میں سوگوار کھڑے
ہیں۔۔۔۔۔

تصورات کی دنیا میں

کامل! دیکھو تو سہی۔۔۔۔۔ یہ وہی مدرسہ خیر یہ ہے جس کی دیواروں میں اینٹ و پتھر کے
ساتھ تمہارے قاشہائے دل بھی جڑے ہیں اور اس کے گارے میں پانی کے ساتھ تمہارا خون جگر بھی
شامل ہے۔۔۔۔۔ اس کی زلفیں پریشان ہیں۔۔۔۔۔ اب اس کی مانگ میں سیندور کون بھرے
گا؟۔۔۔۔۔ افشاں کون چھڑکے گا؟۔۔۔۔۔

کامل!۔۔۔۔۔ کیا تم سچ مچ خاموش ہو گئے!۔۔۔۔۔ ارے ذرا دیکھو تو سہی۔۔۔۔۔
خیر یہ کے یہ وہی طلباء ہیں کہ تمہاری غیرت و حمیت نے اپنے لیے کہیں بھی دست طلب نہ
پھیلا یا۔۔۔۔۔ مگر ان بچوں کے لیے تم نے درد کی بھیک مانگی۔۔۔۔۔ یہ تمہاری خاموشی پر

کامل!-----تم خاموش کیوں ہو؟-----دیکھو تو سہی-----یہ تمہارے
ساتھیوں کی بارات کھڑی ہے-----یہ مولانا سید مظفر حسین ہیں مولانا رحمانی میاں،
مولانا سید اسرار الحق، مفتی شریف الحق امجدی، مولانا ارشد القادری، مولانا نسیم بستوی، مولانا غلام ربانی
یہ تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں-----پیارے-----تم بھی تو کچھ کہو-----اس طرح
نہ چپ ہو جاؤ کہ تمہارا درد جگر ہم سب کے کلیجے کا چبھتا ہوا کانٹا بن جائے-----ارے کامل!
-----اسے تو پہچانو-----یہ تمہارا نورنگاہ ملک الظفر ہے جسے تم نے گود لیا-----
کلیجے سے لگایا-----کاندھے پر بٹھایا-----سر چڑھایا-----یہ تم سے کچھ کہنا
چاہتا ہے-----نہ بولو-----پیارا تو کر لو-----ہونٹوں سے نہ سہی-----
آنکھیں کھولو-----آنکھوں ہی کا پیار دے دو-----کامل! کامل!-----
کامل! کامل! آہ!-----ایسی طویل خاموشی-----

میرے کامل!----- دیکھو میرے دونوں شہزادے آفاق اور مناجنہیں تم نے پڑھنے کے لئے سہرام بلایا تھا۔۔۔۔۔۔ یہ سامان سفر لیے کھڑے ہیں اور مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ لالہ! کامل میاں سے پوچھئے کہ اب سہرام میں ہماری پرش غم کون کرے گا؟۔۔۔۔۔۔ یہ سادہ لوح بچے ہیں۔۔۔۔۔۔ ان سے تو بول لو۔۔۔۔۔۔ کامل!۔۔۔۔۔۔ یہ تمہارا اطاعت شعار ظل الرحمن ہے۔۔۔۔۔۔ جس کی زندگی کا ہر لمحہ تمہاری گردش ابرو پر رقص کرتا رہا۔۔۔۔۔۔ جس نے تمہاری

کامل!-----میں نے ہمیشہ تمہاری بات مانی۔۔۔۔۔۔ آج تم بھی میری ایک بات مان لو پیارے۔۔۔۔۔۔ دیکھو یہ پاسان کے اوراق غم ایک دوسرے پر سر پٹک کے یہ کہہ رہے ہیں کہ اب مجھے کون سچائے گا؟۔۔۔۔۔۔ کون نکھارے گا؟۔۔۔۔۔۔ کون سنوارے گا؟۔۔۔۔۔۔ انوار سر جھکائے رو رہے ہیں کہ جس کے کاندھے پر پاسان کا بوجھ تھا اس نے ساتھ چھوڑ دیا۔۔۔۔۔۔

خطیب مشرق حضرت علامہ مولانا مشتاق احمد نظامی کا تعزیتی پیغام

میری زندگی آلام و مصائب سے اس طرح چور ہے کہ ہر کروٹ اضطراب اور ہر سانس کراہ ہے۔ میری زندگی میں کوئی چراغ تو درکنار اسے جگنوؤں کا سہارا بھی نہ ملا۔ اب زندگی کے نئے موڑ پر کامل میری قوت بازو تھے ”تاجدار“ سے ”پاسبان“ تک ”پاسبان“ سے ”مکتبہ“ اور ”مکتبہ“ سے دارالعلوم غریب نواز تک اگر یہ تمنائوں اور آرزوؤں کا کوئی ڈھانچہ ہے تو ”کامل“ اس کی روح تھے ”کامل“ میرے منہ لگے بھی تھے اور حد درجہ میرا احترام بھی کرتے تھے جب انہیں کوئی بات منوانی ہوتی تو ”بھیا نظامی“ کہہ کر مجھ سے لپٹ جاتے اور میں ان کی والہانہ ادماحبت کے بعد ان کی کوئی بات ٹال نہیں سکتا۔ اب وہ میرے گھر کے فرد بن چکے تھے۔ انوار سے ان کی دانت کاٹی دوستی تھی۔ وہ انوار کو ڈانٹتے بھی تھے اور پیار بھی کرتے۔ میرے غریب خانے کا ایک کمرہ ”کامل میاں کے کمرے“ سے معروف و مشہور ہے۔ وہ تقریری پروگرام پرالہ آباد سے آتے جاتے تو کوئی ٹرین چھوڑ دیتے اگر فرصت نہ ہوتی تو انوار کو اسٹیشن بلا لیتے اس تاکید کے ساتھ کہ سوئیں، حلوہ، شیرمال اور کباب ساتھ لانا۔ انوار پورے اہتمام کے ساتھ پہنچتے آفاق منا بھی ساتھ جاتے کامل میاں پہلے ہی سے ان دونوں بچوں کے لیے سہسرام کا تلکٹ، ٹونی اور مٹھائی ساتھ رکھ لیتے یہ دونوں ہنسی خوشی گھر آتے اور کہتے کہ اب ہم لوگ کامل میاں کے یہاں مدرسہ خیرہ میں پڑھنے جائیں گے۔ وہ ہمارے گھر میں مہمان کی طرح نہ رہتے اپنی پسند کا کھانا خود پکواتے کھجوا، چنے کا حلوہ، بھونا گوشت، سیخ کباب، دہی بڑے یہ ان کی مرغوب غذائیں تھیں۔ انوار ان کی پسند کا کھانا انہیں کھلاتے اور کامل رات دن ایک کر کے ہفت روزہ تاجدار کی ایک ایک سطر میں الفاظ کے موتی پروتے اس دور میں کئی کئی کاتب بیٹھ رہتے لکھتے لکھتے کاتب تھک جاتے مگر کامل کارواں دواں قلم نہ رکتا۔ تاجدار ہی کے دور میں میں نے ان کی صلاحیتوں کو جانچا پرکھا۔ وہ آرام پسند ضرور تھے مگر جب کام آجاتا تو ایک مجاہد اور مزدور کا روپ دھار لیتے۔ اگر مدرسہ خیرہ ان کی علمی یادگار ہے تو تاجدار کا فائل ان کے قلم کا شاہکار ہے۔ تاجدار ایک ایسا آئینہ ہے جس میں کامل کی

بے غبار تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔ ان کی فنکارانہ صلاحیتوں کے بے شمار نقوش تاجدار کے صفحات پر ابھرے اور بکھرے ہوئے ہیں۔ میرا کامل قلم ہی کا تاجدار نہ تھا بلکہ اپنے معاصرین میں فن خطابت کا ایسا پیش رو امام المقر رین تھا جس کی گردِ راہ نے اوج ثریا کو منزلوں پیچھے کر دیا تھا۔ کامل جس وقت صدری یا شیروانی کی سچ دھج سے جھومتے جھامتے ہنستے مسکراتے اسٹیج پر قدم رکھتے تو عوام میں ہلچل مچ جاتی۔ سرگوشیاں ہوتیں۔ وہ دیکھو کامل میاں آئے۔ اور جس وقت وہ خطابت کی کرسی پر بیٹھ کر الفاظ کی چاند ماری اور گولہ باری کرتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ ہم کسی کانفرنس میں نہیں بلکہ رزم گاہ میں بیٹھے ہیں۔ جہاں چاروں طرف سے توپیں انگارہ اگل رہی ہیں اور گولوں کی برسات برس رہی ہے۔ کامل اپنی گرجدار آواز میں شوکت الفاظ سے جب قوم کو خطاب کرتے تو بادلوں کے گرجنے اور بجلیوں کے تڑتڑانے کا یقین ہوتا۔ کامل کشور قلم کا پاسبان و تاجدار اور میدان خطابت کا ابھرتا شہ سوار تھا۔ کامل اب ہماری کانفرنسوں کی روح بن چکے تھے۔ ہم تجاویز کی سرخیاں انہیں دیتے اور اشاروں کی زبان میں اپنے مافی الضمیر کی نشان دہی کرتے اس کے بعد ان تصورات و معانی کو الفاظ کی جامہ زہبی کامل کا اپنا فن تھا۔ اب وہ اعتماد کی ان منزلوں کو چھو رہے تھے کہ آنکھ بند کر کے یہ دستاویز ان کے سپرد کردی جاتی۔ کامل نے ہمارا کام بہت ہلکا کر دیا تھا جو کام ان کے ذمے کیا وقت سے پہلے انہوں نے پورا کیا اب تدریجاً انہیں اپنی ذمہ داریوں کا بھرپور احساس ہوتا جا رہا تھا۔ اور اپنی ذہنی، فکری اور قلمی صلاحیتوں سے اکابر کا دل جیت رہے تھے۔ کامل نے خطابت کو بحیثیت فن نہیں استعمال کیا بطور مشن استعمال کیا۔ خطابت کے پس منظر میں مذہب اہل سنت و مسلک اعلیٰ حضرت کی نمائندگی اور ترجمانی کا بھرپور احساس تھا اور ان کی یہی اداعوامی شہرت اور مقبولیت کا سبب بنتی گئی۔ کامل نے جیتے جی کبھی بھی اپنے مسلک کا سودا نہیں کیا۔ انہوں نے سب کچھ گنوا یا مگر مسلک کی آبرور قرار رکھی اور اس کے دامن پر کوئی آنچ نہ آنے دی ان کی اسی ادا نے انہیں مجھ سے قریب سے قریب تر کر دیا تھا۔ کامل کی موت کسی خاندان و قبیلے کا غم نہیں بلکہ جماعت کا ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ کامل بہت سی خوبیوں بہت سے

محاسن کا ایک جیتا جاگتا مرد آہن تھا جس کی ایک لکار سے دشمنانِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے کلیجے کا خون پانی ہو جاتا۔ کامل اپنوں کیلئے گونا گوں خوبیوں کا ایک حسین و شاداب گل دستہ اور بے گانوں کے لیے شمشیر براں اور شعلہ جوالہ تھا وہ کیا گیا کہ اس کے جانے سے ہنستی بولتی انجمنوں کی بہار رخصت ہو گئی۔ کامل کی موت ایک ایسا المناک حادثہ ہے جس کے تصور سے دل غمگین اور آنکھیں نمناک ہو جاتی ہیں۔ جب سے مولانا ظل الرحمن سے یہ خبر سنی ہے مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کامل میاں شیر وانی صدری اور سہرامی ٹوپی کا بانگین لئے میرے ارد گرد گھوم رہے ہیں۔ دل ان کی موت کا یقین نہیں کرتا۔ وا حسرتا! اب میرا کامل مجھ میں نہ رہا وہ اتنا دور گیا اتنا دور گیا کہ اب نامہ و پیام اور رسم و راہ بھی ختم ہو گئی۔ کامل ایک ایسا درد جگر دے گئے جس کی کھٹک مرتے دم تک محسوس ہوتی رہے گی۔ مولانا ظل الرحمن! میں نے کئی بار ارادہ کیا، قلم لے کر بیٹھا کہ فخر الامثال حضرت مولانا ضیاء الحسن صاحب، ملک الظفر اور ان کی والدہ کے نام تعزیتی پیغام بھیج دوں مگر دل بے قرار پر قابو نہ پاسکا۔ میں احساسِ ندامت سے چور چور ہوں۔ کاش! میں وہاں ہوتا تو ملک الظفر کو گلے لگاتا اور آنسوؤں کا سیل رواں مخدوم گرامی کے دامن کی نذر کر دیتا۔ خیال آیا کہ آپ کو رابطہ بنایا جائے اور آپ ہی کے توسط سے تعزیتی پیغام کا حق ادا کرتے ہوئے کامل کی روح کو آواز دوں پیارے تم کہاں ہو؟ ہائے! میرا قوت بازو جاتا رہا اور جماعت کا ایک عظیم سرمایہ پیوند خاک ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ مدرسہ خیریہ اور دارالعلوم غریب نواز کے درمیان کامل میاں ایک مضبوط کڑی تھے ہمیں توقع ہے کہ آپ جیسا صاحب صلاحیت اس رشتے کو کمزور نہیں بلکہ اور مضبوط بنائے گا۔ مولانا! ایک منتشر اور بے جوڑ سی تحریر ہے اسی توسط سے مرحوم کے اہل خانہ عزیزوں سے میرا تعزیتی پیغام پہنچا دیں۔ خدائے قدیر مرحوم کی بال بال مغفرت اور کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل۔ دارالعلوم غریب نواز کے اساتذہ، طلباء میرے گھر کے چھوٹے بڑے اور ادارہ پاسبان ان کے غم میں سو گوار ہے خدا ہم سب کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

ماہنامہ ”پاسبان“ الہ آباد شمارہ ماہ مئی ۱۹۷۹ء

آہ! مرا کامل جاتا رہا

خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سہسرام صوبہ بہار کا ایک مردم خیز علاقہ ہونے کی حیثیت سے ہندوپاک کا بہت ہی متعارف اور مشہور شہر ہے۔ بڑے بڑے علماء و فضلاء نے اس کی گود میں پرورش پائی۔ شاید میں کچھ بہک گیا ہوں، اگر یہ کہا جائے تو زیادہ بہتر ہو کہ انہی رنگارنگ شخصیتوں نے سہسرام کو مدینۃ العلماء بنایا اور اس کی سر بلندی کو ہمدوش ثریا کر دیا تو غلط نہ ہوگا۔

مولانا کامل کے والد ماجد صدر العلماء حضرت علامہ مولانا الحاج محمد فرخند علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے وقت کے ممتاز ترین عالم دین اور صاحب سلسلہ درویش صفت بزرگ تھے۔ گویا علم ظاہر اور باطن کے سنگم تھے۔ کامل ایک ایسے ہی علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے جس نے ایسے باپ کی گود میں آنکھ کھولی وہ اپنے علم میں کیسرا سخ اور کردار و عمل میں کتنا محتاط اور منفرد ہو سکتا ہے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

عام شہرت تو یہ ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے مگر کامل کی کہانی اس کہاوٹ سے کچھ الگ تھلک ہے۔ کسی دور میں لوگ سہسرام سے پہچانے گئے لیکن آج کا سہسرام کامل سے پہچانا جاتا تھا۔ کامل کی تاریخ کا یہ حصہ اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ سے جزوی حیثیت سے ملتا جلتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے پیرومرشد نے یہی توفرمایا تھا کہ مجھے یہ فکر دامن گیر تھی کہ خدا جب مجھ سے پوچھے گا تو کیا لایا تو میں کیا جواب دوں گا لیکن جب اعلیٰ حضرت داخل سلسلہ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ اندھے کا بوجھ ہلکا ہو گیا اب اگر دور محشر نے سوال کیا تو میں کہہ دوں گا احمد رضا کو لایا۔ یہ ایسا مرید تھا جس پہ پیر کو بھی فخر تھا۔ کامل کی تاریخ بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ مولانا فرخند علی، مولانا محمد صدیق، حکیم مسیح الزماں اور مولانا ضیاء الحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہ بزرگوں سے سوال ہوا تو غالباً وہ کامل ہی کو پیش کریں گے۔ کامل ایک ایسے سپوت تھے جو فخر خاندان بھی ہوئے اور

قومی، ملی رہنما بھی، کامل سہسرام کی سرزمین سے آسمان بن کر اٹھے ستارہ بن کر چمکے ہلال نو کی شکل ابھرے حتیٰ کہ اب وہ فن خطابت کے بدرکامل اور افق صحافت کے چڑھتے سورج تھے۔

ہائے! موت انسانی دسترس سے باہر ہے۔ وہ کامل جو کل تک شمع انجمن تھا موت کے ایک ہلکے سے جھونکے نے ہمیشہ کے لئے اسے گل کر دیا۔ اب کامل نہ رہا صرف کامل کی یاد رہ گئی جو اندھیرے کا اجالا اور ٹوٹے دلوں کا سہارا ہے۔ کامل تم بہت دور چلے گئے۔ معذرت کے ساتھ۔ مولانا کامل کے والد بزرگوار حضرت علامہ مولانا محمد فرخند علی نابغہ عصر اور فرید دہر تھے آپ کی تصنیف "تہلیل المنطق" جو منطق کے ضروری ابتدائی مسائل پہ مشتمل ہے وہ بہت سارے مدارس میں داخل نصاب ہے یہ کتاب دریا کو کوزے میں بند کرنے کی منہ بولتی مثال ہے طلباء کے حق میں زیادہ مفید ہے۔

اہل سنت و جماعت کی معروف دینی و مذہبی درسگاہ دارالعلوم خیرہ نظامیہ انہی بزرگوں کی علمی و روحانی یادگار ہے۔ ماضی بعید میں اسے وہی حیثیت حاصل تھی جو اس وقت مظہر اسلام اور منظر اسلام کو حاصل ہے یعنی مدرسہ خیرہ نہ صرف یہ کہ سنی ادارہ سمجھا جاتا تھا بلکہ دوسروں کو سنیت کی سند اور سرٹیفکیٹ دیتا تھا۔ خدائے قدیر مدرسہ خیرہ کو آسیب روزگار سے محفوظ و مامون رکھے آمین، اور اس عظیم و جاں کاہ حادثے کے بعد خیرہ کے انصار اور معاونین کے جذبہ علمی کو نئی اسپرٹ اور لگن عطا فرمائے تاکہ علم و ادب کا یہ لہلہاتا چمن آشنا خزاں نہ ہو سکے یوں ہی سدا بہار چمن رہے۔

مولانا کامل صوبہ بہار کی اسی بلند پایہ اور معیاری درسگاہ کے مہتمم ہی نہیں بلکہ روح رواں تھے۔ فخر الامثال مولانا ضیاء الحسن صاحب جو اس وقت مدرسہ خیرہ کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث ہی نہیں بلکہ اس کے دل و دماغ ہیں مولانا کامل انہی کی ہدایت و ارشادات پر گامزن تھے اور خود اپنی خداداد صلاحیتوں سے اس چمن کی اس طرح آبیاری کر رہے تھے جس طرح پھولوں کے باغچے میں گلاب، بیلا، جمیلی، موتیا، موگر اسب کی الگ الگ روشیں اور قطاریں ہوتی ہیں۔

ایسے ہی اب خیرہ کی عمارات علیحدہ علیحدہ فنون میں تقسیم ہوتی جا رہی تھیں۔ اب ہم فاضل گرامی

مولانا نائل الرحمن صاحب کی بھرپور علمی صلاحیتوں کے ساتھ ان کی وفات شامی، سعادت مندی، اعلیٰ ظرفی اور کردار کی پختگی سے پرامید ہیں کہ وہ خیرِ یہ کے چڑھتے دریا کو اترنے نہ دیں گے بلکہ خیرِ یہ وقت کی تیز دھوپ میں بھی ساون بھادو کی طرح علمی برسات کی خیرات تقسیم کرتا رہے گا۔ خیرِ یہ اب مولانا کامل کی نہ مٹنے والی ایسی علمی یادگار ہے جس کی بنیاد پہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس طرح کی یادگار چھوڑنے والا مرتا نہیں ہے بلکہ زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔

میرا کامل زندہ ہے اور یقیناً زندہ ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں الہ آباد کی معروف دینی و مذہبی درس گاہ مدرسہ سبحانیہ میں درس نظامی کی متوسط کتابیں پڑھ رہا تھا اس وقت کامل مدرسہ سبحانیہ میں ابتدائی کتابیں پڑھ رہے تھے۔ ابھی ہم دونوں کا خاص تعارف نہیں تھا البتہ کامل کے عزیز مولانا ضیاء الحسن کے چھوٹے بھائی مولانا محمود الحسن ہمارے ہم سبق تھے۔ کچھ دنوں بعد مولانا کامل الہ آباد سے مبارکپور چلے گئے پھر حضرت علامہ اعظمی کے ہمراہ احمد آباد پہنچے اور دارالعلوم شاہ عالم احمد آباد سے فارغ ہوئے۔ برسوں گجرات کے ایک قصبہ کسمڑھی میں امام و خطیب رہے ہیں۔

میں اس وقت گجرات کا مہینوں دورہ کرتا اور کامل بھڑوچ انگلیشور وغیرہ کے پروگراموں میں میرے ساتھ رہتے۔ حتیٰ کہ اب وہ مجھ سے اتنے قریب ہو گئے کہ ابتدائی مقرر کی حیثیت سے میرے جلسوں میں تقریر کرتے مگر ان کا انداز تقریر دیکھ کر یہ کہاوت یاد آ جاتی کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات اٹھان اچھی تھی اور دھیرے دھیرے اس طرح ابھرے کہ وہ صف اول کے مقررین میں شمار کیے جانے لگے۔

اور اب تو یہ عالم تھا کہ ان کے ہوتے ہوئے خود تقریر کرنا نہیں چاہتا تھا دل یہی چاہتا کہ میرا بھی وقت انہیں مل جائے۔

ہائے افسوس! کہ خطابت کا چڑھتا سورج ڈوب گیا اور میدان خطابت کے تیز رواور تیز گام مسافر نے اپنا سمت سفر بدل دیا۔ کامل تم کہاں ہو پیارے کچھ تو بولو۔ معذرت کے ساتھ۔ کامل ابھی گجرات

کی رات کو دن ہی بنا رہے تھے کہ مدرسہ خیریہ کی ضرورتوں نے انہیں پکارا اور عقیدت و محبت کی زنجیر میں بندھے ہوئے وہ سہرام پہنچ گئے اور یہ گریں اتنی مضبوط تھیں کہ عمر بھر کھل نہ سکیں۔

سہرام ان کا وطن مالوف تھا ہر ایک سے رسم و راہ تھی کامل مردانہ وار اس میدان میں اپنی صفت مردم شناسی اور خدا داد صلاحیتوں سے جس خانے میں جو پرزہ فٹ ہو سکتا تھا وہیں فٹ کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح خیریہ کی مدہم رفتار تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔ کامل ایک منتشر فوج کا قائد اور امیر کارواں بن کر رہا۔

نہیں ملت الحاج جہانگیر عرف بھولا میاں مرحوم کی رفاقت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور مسجد سے لے کر مدرسہ کی عمارت و انتظام میں بھولا میاں کی دلچسپی نے کامل کی اس طرح حوصلہ افزائی کی کہ ان کے کام نے اپنوں کا دل جیت لیا اور غیروں نے ان کی صلاحیتوں کا لوہا مان لیا اب ایسے بے لوث خدمت کرنے والے کہاں ملیں گے؟ مدرسہ فیضیہ نظامیہ، ایشی پور، باراہٹ بھولا میاں کی علم دوستی کی یادگار ہے۔ شیخ المعقولات مولانا خواجہ مظفر حسین اور ادیب شہیر مولانا محمد ایوب مظہر اس کے دل و دماغ ہیں۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

کامل اب چھوٹوں کی انجمن سے نکل کر بڑوں کی صف میں حاشیہ نشین ہو چکے تھے اور وہ دن دور نہ تھا کہ آج کا حاشیہ نشین کل کا صدر مجلس ہو کر مسند نشین ہوتا مگر زندگی نے ساتھ چھوڑ دیا اور ہمارا کامل ایک پرانی رہ گزر کا نیا مسافر بن گیا۔ اب دھیرے دھیرے کامل کا نفرنسوں اور مرکزی جلسوں کی روح بن چکے تھے اور ان کے بغیر کا نفرنس کا کوئی تصور نہ ہوتا۔

سنی جمعیۃ العلماء ۱۲ محرم الحرام کو ہر سال شہید اعظم کا نفرنس کرتی ہے۔ میں قائد ملت مولانا سید شاہ اسرار الحق صاحب کی معیت میں وقت اور حالات کے تحت تجاویز کی سرخیاں متعین کرتا اور انہیں قانون کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے مولانا کامل اور مولانا اسلم بستوی کے سپرد کر دیا جاتا اور انہی حضرات کے ڈھلے ڈھلائے الفاظ میں انہیں علمائے کرام کی بارگاہ میں پیش کر دیا جاتا۔ افسوس! اب

مجلسوں کی وہ رونقیں رخصت ہو گئیں۔

ہفت روزہ تاجدار کے زمانے میں مولانا کامل کو میں نے قریب سے دیکھا ایک بجے رات تک ایک ہی رفتار سے ان کا قلم چلتا رہتا وہ اس وقت تک تکیے پہ سر نہ رکھتے تا وقتیکہ تاجدار کی ایک ایک سطر سے مطمئن نہیں ہو جاتے انوار ان سے ہر چند کہتے کامل میاں! آپ اتنی مشقت نہ اٹھائیے آپ اس ادارے کے ملازم نہیں مالک ہیں۔ لیکن وہ ایک نہ سنتے درجنوں اخبارات کو دیکھنا اس پہ لال پینسل سے نشان لگانا پھر خبروں کے انتخابات ان پر تنقید و تبصرہ تحقیقی اور تنقیدی مقالات کی ترتیب اور پھر مضامین سپرد قلم کرنا ان تمام امور کو وہ بیٹھے بٹھائے ایک پختہ کار صحافی کی حیثیت سے بخوبی انجام دیتے جس کے نتیجے میں نشین بنگلور اور بعض دیگر ویلی اخبار کی روشنی مدھم ہو گئی تھی اگر تاجدار ویلی عمر پاتا تو آج صف اول کے اخبارات میں شمار کیا جاتا۔ یہ جو کچھ بھی تھا کامل اور انوار کی صلاحیتوں کا نتیجہ تھا۔ بہت سے لوگ اپنے کو سیاسی کہتے تو ہیں مگر سیاست کی سین نہیں جانتے مگر کامل نے ایک کامیاب سیاستداں ہونے کے باوجود آج کی گندہ سیاست کو اپنا موضوع نہیں بنایا۔ جگر مراد آبادی کی زبان میں ان کا کہنا یہ تھا۔

ان کا جو کام ہے اربابِ سیاست جانیں

میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

پاسبان کی نشاۃ ثانیہ کے بعد اب اس کی پچانوے فی صد ذمہ داری مولانا کامل سے متعلق تھی۔ اپریل کے شمارے میں امام اعظم نمبر کا اعلان انہوں نے اپنی مرضی سے کیا اس سلسلے میں ۱۲ مارچ ۱۹۷۹ء کو انہوں نے جو مجھے خط بھیجا وہ حسب ذیل ہے اور میرے نام ان کی زندگی کا یہ آخری خط ہے جو ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

کامل ایک کامیاب شاعر بھی تھے کم کہتے مگر اچھا کہتے ہر چند کہ اس فن کو انہوں نے اپنا یا نہیں پھر بھی اس فن میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔

اب ہماری تمام تر امیدیں مولانا ظل الرحمن سے متعلق ہیں وہ کل تک خیرِ یہ کی امانت تھے آج خیرِ یہ ان کی امانت ہے۔ ہم یقین و اعتماد کے ساتھ اس کا اعلان کرتے ہیں کہ مولانا ظل الرحمان اور ان کی کمیٹی کو ہم کسی موڑ پہ تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ وہ پوری حوصلہ مندی سے انھیں ماضی کی تاریکیوں میں نہ جا کر مستقبل کی فکر کریں ہم اللہ تعالیٰ کی مشیت پر راضی ہیں اور سیدنا سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مقولے کو حرزِ جاں بناتے ہیں۔ کل الراحة فی ارادة الله ہر طرح کی راحت ارادۃ الہی میں ہے۔ ہمارا سر تسلیم خم ہے اور خدا کی ہی عنایت پر آس لگائے بیٹھے ہیں۔

مولانا ظل الرحمن اب آپ ہی ہمارے اور مولانا مرحوم کے درمیان ایک مضبوط رابطہ ہیں لہذا آپ دھڑکتے دل غم ناک آنکھیں اور کانپتے ہونٹوں سے مولانا کی اہلیہ ان کے بچوں اور متعلقین کو میرا تعزیتی پیغام پہنچادیں۔

بہت مختصر چاہا مگر مضمون پھیل گیا اب قارئینِ پاسبان سے رخصت ہوتے ہوئے اپنے کامل کو ان الفاظ میں الوداع کہتا ہوں۔

کامل خوش اخلاق، خوش خوراک، خوش پوش تھے، بہت ہی خلیق اور ملنسار تھے۔ وہ آرام پسند بھی تھے مخفی بھی۔ سینے میں ایک بے غبار دل تھا۔ کینہ پرور نہ تھے وہ تن کے اجلے اور من کے کالے نہ تھے۔ دل کی بات زبان پر تھی۔ وہ اپنوں اور بیگانوں کے درمیان منافق نہ تھے۔

کامل حق نگر، حق گو، حق پسند حق پرست تھے ہمارے خلاف کوئی کچھ کہتا تو اس کی اطلاع ہمیں ضرور دیتے وہ ہم سے بے تکلف بھی تھے اور نیاز مند بھی وہ ہم سے اس طرح ملتے جس طرح چھوٹا بھائی اپنے بڑے بھائی سے بالکل اسی طرح انوار کو وہ اپنا چھوٹا بھائی سمجھتے اور انوار انہیں بڑے بھائی کی طرح بسا اوقات انوار ڈانٹ بھی کھاتے مگر کامل کی محبت میں وہ اس کی کوئی فکر و پرواہ نہیں کرتے ایسا محسوس ہوتا کہ وہ دونوں دو جسم اور ایک جان ہیں، ہنستے بولتے لڑتے جھگڑتے دونوں کا دن کٹ جاتا میں ان دونوں کے درمیان اتنی دیر بیٹھتا جتنی دیر تک کامل میری ضرورت محسوس کرتے۔ میرا کچھ چھن تو

ضرور گیا ہے مگر فیصلہ نہیں کر پاتا کہ میرا بازو کٹ گیا ہے یا دوست بچھڑ گیا یا میرا بھائی ساتھ چھوڑ گیا اب ایسا لگتا ہے کہ خود میری زندگی مجھ سے روٹھ گئی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ جماعت ایک بڑے خطیب، ایک عظیم مناظر ایک لائق مدرس ایک قابل صدا افتخار منتظم اور ایک شہرہ آفاق صحافی سے محروم ہو گئی۔

کامل کا صدمہ کسی فرد کسی خاندان اور کسی شہر کا نہیں بلکہ ملک کی ایک بڑی جماعت کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ کامل نے اپنے پیچھے اپنی ذکاوت، فراست، صحافت، خطابت اور کردار و عمل کے ذریعے ایک مستقل تاریخ چھوڑی ہے۔ یہ مدرسہ خیر یہ اور دارالعلوم غریب نواز کے کسی لائق فرزند کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بوجھ کو اپنے کاندھے پر اٹھالے اور کامل کی شخصیت سے دنیا کو روشناس کرائے یہ ہماری بہت بڑی جماعتی کمزوری ہے کہ تاریخ ساز شخصیتیں اٹھ جاتی ہیں مگر ان کی زندگی کے کارنامے ہم دنیا کے سامنے پیش نہیں کر پاتے۔

تجربہ کا مقام ہے کہ ہمارا حریف پیتل کو سونا کہہ رہا ہے اور ہم سونے کو سونا اور ہیرے کو ہیرا نہیں کہہ پاتے۔ کاش یہ رسم کہیں ٹوٹے اور ایسا سپیدہ سحر نمودار ہو جس کی گود میں زندگی کا ہر زاویہ ابھر اور نکھر سکے۔ جماعت کے ہوشمند ایسی شمعیں جلاتے جس کا اجالا ہر اندھیرے کو کھاتا۔ مدبر، مفکر، خطیب، مقرر، مدرس، مناظر، شاعر اور جماعت اہل سنت کے ایک بڑے بے لوث خادم کا نام تھا کامل۔

تحفظ ناموس رسالت علیہ التحیۃ والثناء تو کامل کی خمیر میں شامل تھا ہر حال میں ناموس رسالت مآب ﷺ کے لئے وہ سینہ سپر رہتے آخر تحفظ ناموس رسالت مآب ﷺ کی تحریک میں حصہ لیتے ہوئے محبوب کے قدموں میں جان نثار کر دی۔

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے ناز پر

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

کامل تم شہید عشق، شہید محبت اور شہید وفا ہو اگر کلکتہ والوں کے سینے میں پتھر نہیں دل ہے تو وہ ہر

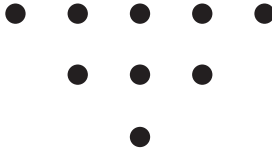
سال تمہاری یاد منائیں گے۔

ادارہٴ پاسبان اور دارالعلوم غریب نواز یہ دونوں ادارے تمہارے غم میں رو رہے ہیں اور تمہیں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

تمہارے اخلاص کے باعث خیر یہ اور دارالعلوم غریب نواز میں چولی دامن کا جو رشتہ تھا تمہاری روح مطمئن رہے ہم اس رشتے کو توڑیں گے نہیں اور مضبوط بنائیں گے۔ دیکھو ملک الظفر، آفاق، منا، چنو، وقار اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے سلام کہہ رہے ہیں۔

مولانا نائل الرحمن اور انوار کے بہتے ہوئے آنسو تمہیں الوداع کہہ رہے ہیں۔

ماہنامہ پاسبان الہ آباد شمارہ ماہ جون ۱۹۷۹ء



رضا اکیڈمی، ممبئی

علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ (الہ آباد)

خدا ہی بہتر جانتا ہے وہ کیسی مسعود و مبارک ساعت تھی اور تسنیم و کوثر میں کیسے دھلے دھلائے ہاتھ تھے جب اور جن ہاتھوں سے رضا اکیڈمی کی داغ بیل ڈالی گئی۔ پلک جھپکتے یہ کارواں اتنا دور نکل گیا کہ برق رفتار اسپ سواروں نے اس کی گرد تک نہ پائی۔ سچ ہے اخلاص نیت کا آشیانہ اتنا بلند ہوتا ہے جہاں کوئی کمند کا گزر نہیں۔ کل کا ننھا منسا پودا آج کا تناور اور بار آور درخت بن چکا ہے۔ یہ اہل سنت کا ایک اشاعتی ادارہ ہے جو بہت ہی قلیل مدت میں اپنی آفاقی شہرت کی بنیاد پر ملک اور بیرون ملک علماء اور مہمانوں کی قیام گاہ اور ضیافت گاہ بن چکا ہے۔ بہت ہی فیاض، روشن خیال اور وسیع النظر حضرات کے ہاتھوں میں اس کی قیادت ہے۔ جن کے خون کی بوند بوند میں وفاداری مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا جذبہ موجزن ہے۔ مذہب اہلسنت کی ترویج و اشاعت اور مسلک رضویت کی تائید و حمایت اس ادارے کا بنیادی نصب العین ہے۔ اب تک ترجمہ اعلیٰ حضرت کے علاوہ سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسائل کی ہزار ہا ہزار اشاعت ہو چکی ہے جن میں اکثر و بیشتر مفت تقسیم کیے گئے ہیں۔

عزیز محمد سعید نوری فعال و متحرک شخصیت ہیں۔ عزیز موصوف کی مساعی جلیلہ نے اسے ہم دوش ثریا کر دیا ہے۔ کچھ بھی ہوا اعلیٰ حضرت و مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فیضان کرم کا نتیجہ ہے۔ اگر ایصال ثواب کی خاطر آپ بھی کتابچے و رسائل شائع کرنا چاہتے ہیں تو رضا اکیڈمی کی طرف رجوع کیجئے۔ خدائے قدیر اس ادارے کو آسیب روزگار سے محفوظ رکھے اور اہل سنت کا مرکز توجہ بنائے۔ آمین

(ماہ نامہ ”پاسبان“ الہ آباد جنوری، فروری ۱۹۸۴ء، ۱۹ اکتوبر ۱۹۸۷ء)